فکر ونظر........... اسلام آباد جلد: ۴۸ شمارہ:۱

قرآن کا تصورِ ازدواج
اور مرد وعورت کے معاشرتی دائرہ ہائے کار

ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین☆

ABSTRACT

This article is meant to introduce the concept of pairs in the Holy Quran and that the universe is functioning on the basis of pair system. Every circle of this world is functioning by the same system. Usually the two members of every pair have two different qualities and nature of jobs, one of them may be called as negative and the other positive. This concept is based on the Holy verse of Quran:

"And we have created pairs of every thing so that you remember" [dhariyat 51:49].

Some scientific examples are also inserted to make the idea more clear. For example in a cell, in every living things and atom in non living things there also the system of pair prevails. In an atom proton and electron do the job for negative and positive charges respectively. Both of them have their own rotation space, specialized in one aspect of the energy the function at a time, at the same speed, at the same number and create energy and balance to keep the atom at its natural position. They never mix-up nor they interfere into the others jobs, but in the same time no one of them can be self sufficient.

Same the case is with a magnet where the south and north polls do the jobs. The examples of electricity and binary language of computing system are also pointed to, in the article.

Coming to the Holy Quran, many examples of systems running on pair basis are given along with with quotations from the verses. One of these has been explained in a sort of detail. That example is of the mutual functioning of the earth and the

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

heaven, where the Quran states that livelihood is in the heavens and that Almighty Allah sends it down from the heaven to the earth, but nobody in this world's life have ever received food from the heavens. It is always a product of the earth, not the sky. This idea has been examined and found that there is a regular and scientific interaction between the earth and the sky to produce food from the earth. Based on examples and numerous verses of the Holy Quran the status of woman and man in a human society has been addressed and the conclusion was that both the genders are equals in importance but never equal in job description. Exceptions are always there. Both the gender have their own specialized circle of function to build up the society. Frequent interruption into each other's jobs destroy the circle of function assigned to them.

There is no doubt that none of them work without the other help but they must remain working according to their specific jobs. Exceptions are always there.

مشہور محاورہ ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ یہ جملہ ہمیں سیکنڈری سکول کی سطح پر تعلیم نسواں کے مضمون کے شروع میں لکھوایا جاتا تھا۔ یہ بات سو فیصد درست ہے، زندگی کی گاڑی نہ مرد کے بغیر چل سکتی ہے نہ عورت کے بغیر، ان میں سے کوئی ایک بھی زندگی سے نکل جائے تو دوسرے کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جلد ہی ان کے جیون ساتھی حضرت حوا کی تخلیق فرمائی۔اس وقت سے لے کر نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآنِ مجید تک ہر آسمانی کتاب میں عورت کے مقام، اس کے کردار اور تحفظ کے بارے میں واضح ہدایات نازل کی گئیں۔قرآنِ مجید میں ایک طویل سورت کا نام ہی النساء رکھا گیاہے(۱) ، جس میں عورتوں کے تحفظ کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ نور(۲) میں بھی زیادہ تر حقوقِ نسواں کے تحفظ کے اصول وضوابط ہیں۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو لکھا کہ اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ سکھاؤ اور اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ، اور انہیں چاندی کے زیورات پہنایا کرو(۳)۔ یہ تو فکری طور پر خواتین کے مقام و مرتبے کے تحفظ کی قرآنی مثالیں ہیں۔ اس کی عملی مثالوں کی بھی قرآنِ مجید میں کمی نہیں، چنانچہ ایک پوری سورت حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر ہے۔ پاکیزگی، عبادت گزاری اور حیا داری

میں ان کا کردار غیر معمولی تھا۔ ان کی ثابت قدمی کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف پوری قوم الزام لگانے والی اور دوسری طرف وہ اکیلی ان کا سامنا کرنے والی تھیں مگر مخالفت کے ایک طوفان کے مقابلے میں بھی ان کے ایمان، ثابت قدمی اور تعلق مع اللہ میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ کتاب اللہ کی یہ پوری سورت ان کے نام کردی گئی، جو ایک سو کے قریب آیات پر مشتمل ہے(۴)۔

ایک اور عجیب اتفاق ہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں معیارِ ایمان کے عملی مظاہرے کی مثال دینا مقصود تھی وہاں ایک خاتون ہی کو بطورِ مثال پیش کیا گیا ، اور جہاں کفر کی عملی صورت سمجھانا مقصود تھا تو اس کے لیے بھی دو خواتین کا تذکرہ کیا گیا۔ ایمان والی مثال فرعون کی بیوی کی ہے جس نے ،کفر، جبر اور ظلم وستم کے ماحول میں ایمان قبول کیا جس کی وجہ سے فرعون نے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے مگر اس کے پایۂ استقلال میں ذرہ بھر کمی نہ آئی ۔ اس عورت نے مصر کی خاتون اول ہونے اور رب اعلی ہونے کے دعوے دار فرعون کی ملکہ ہونے کے باوجود، فرعونی محلات کے اندر رہتے ہوئے یہ دعا کی: ﴿رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ وَنَجِّنِیۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴾[سورۂ تحریم ۶۶:۱۱](اے میرے رب میرے لیے اپنے ہاں ایک گھر بنادے، مجھے فرعون اور اس کے ظلم سے نجات دے اور ظالم لوگوں سے بھی میری جان چھڑادے) ۔کفر کی مثال میں دو جلیل القدر انبیاء کی بیویوں کا تذکرہ ہے : ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی ، جنہیں خود آدمِ ثانی کہاجاتا ہے اور طوفان کی تباہی کے بعد جن سے دوبارہ نسل انسانی چلی ۔قوم کے درمیان ان کا قیام قرآنِ مجید میں پچاس کم ایک ہزار برس بتایا گیا ہے ۔ دوسری عورت جس کا اس ضمن میں تذکرہ ہوا وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی ، جو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قریبی رشتہ دار اور ان کے ہم عصر نبی تھے ۔ ان دونوں عورتوں کی کفر پرثابت قدمی اس قدرتھی کہ بیتِ نبوت اور اس کا پاکیزہ ماحول اور جلیل القدر انبیاء کی کوشش بھی انہیں راہِ راست پر نہ لاسکی۔ ان دونوں مثالوں کے ساتھ ہی ایک خاص پیرائے میں پھر حضرت مریمؑ کا تذکرہ ہوا ہے : ’’اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرم گاہ کومحفوظ رکھا تو ہم نے اس میںاپنی طرف سے روح پھونک دی، اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو سچ مانا اور اس کی کتابوں کو بھی، اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھی ‘‘(۵) ۔یہ عورت کی فطری طاقت کی کچھ جھلکیاں ہیں جس سے معاشرے کی تعمیر یا تخریب میں مؤثر کردار ادا کرنے کی صلاحیت کا پتہ چلتاہے۔ یوں خواتین کے تحفظ کوآسمانی ہدایات اور ادیان عالم میں ایک خاص مقام حاصل رہا۔ قرآن وسنت سمیت پورے اِسلامی لٹریچر میں بھی خواتین کا لحاظ رکھنے کی بڑی تاکید موجود ہے۔ پیغمبرِ اِسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ حجۃ الوداع کو انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر ماناگیا ہے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مرد عورت کے ایک دوسرے پر حقوق کے بارے میں نہایت جا مع ارشادات فرمائے ۔سنن بیہقی میں منقول ان ارشادات کا ایک جملہ یہ ہے : **اتقوا اللہ في النساء، فانکم اخذتموھن بامانة اللہ ......** (٦) (عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ تم لوگوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے)۔ اس جملے میں دینی نصوص کا مخصوص تربیتی انداز نمایاں ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ خواتین کو ان کا مناسب مقام دینے کی جواب دہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ہوگی۔ اِسلامی فقہی ادب کے خاندانی مسائل کے ابواب میں بالخصوص اور دیگر ابواب میں حسبِ ضرورت خواتین کے بارے میں احکام موجود ہیں۔

اب خواتین کے معاشرتی مقام یا دوسرے لفظوں میں معاشرے کی تعمیر و ترقی میں خواتین کے کردار کے تجزیاتی مطالعے کی طرف آئیں تو یہ بات واضح ہے کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا تذکرہ ہوا، وہاں ان کی تخلیق کا مقصد خلافت ارضی کی تفویض بتایا گیا ہے۔اس لحاظ سے زمین کی آباد کاری، اس میں معاشرے کی تشکیل اور اس کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری حضرتِ انسان کو سونپی گئی ہے۔ انسان یا اولادِ آدم صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہیں اور کاروبارِ زندگی کو جادۂ مستقیم پر استوار کرنے اور رکھنے میں ان کے کردار کی اہمیت مردوں کے کردار سے کسی قدر کم نہیں۔ صدیوں تک مرد و عورت دونوں اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے، قومیں اپنی اپنی باری پر آتی اور جاتی رہیں، معاشرے بنتے اور بکھرتے رہے۔ تاریخ میں عورت سمیت کئی دیگر انسانی طبقات پر ظلم وستم اور ناانصافی کا ذکر ملتا ہے، مگر صنفی بنیادوں پر مرد عورت کے معاشرتی کردار پر اس انداز سے بحث کی نوبت شاید کبھی نہیں آئی جس انداز سے دور جدید میں کچھ عرصے سے یہ موضوعِ گفتار و کردار بنا ہوا ہے۔ شاید اِس طویل بحث وتمحیص کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہو کہ مسلمان جس طرح اپنے دینی ورثے سے عملی طور پر دور ہوکر اپنی دیگر معاشرتی اقدار کو کھو بیٹھے ہیں، اسی طرح خواتین کے حقوق کی پامالی بھی معاشرے میں ایک روگ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ پاکستان کے معروضی حالات میں اس کا پسِ منظر قیامِ پاکستان سے پہلے کے رسم و رواج بھی ہو سکتے ہیں اور اس میں وڈیرہ شاہی کے مخصوص حالات کا دخل بھی ہو سکتا ہے۔ چوں کہ ظلم وستم کا ہمیشہ ردعمل ہوتا ہے، یہاں بھی ردعمل کا ظاہر ہونا فطری سی بات تھی۔ لہٰذا خواتین کے حقوق کے معاملے میں دھیرے دھیرے آواز اٹھنا شروع ہوئی، زمانۂ طالب علمی میں ''تعلیم نسواں'' کے مضمون کا تذکرہ تو ہوچکا، کچھ عرصے بعد ''مساواتِ مرد وزن'' کا نعرہ سننے میں آیا۔ پھر ماضی قریب میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر یکساں طور پر خواتین کے حقوق کی بات ہوتے ہوتے مردوں کو بلا تمیز معاشرے کا ظالم عنصر اور خواتین کو بلا تمیز معاشرے کا مظلوم

عنصر قرار دیا جانے لگا، تلفزیائی مکالموں میں بین قوسین ''مردوں کا معاشرہ'' کی اصطلاح عام ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ مردوں کے اِس ظالم معاشرے میں عورت کو اس کا اصل مقام دلاکر رہنے کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حال ہی میں جرأت مندانہ عملی اقدامات کا ایک سلسلہ جاری ہوا، جس میں مذہب کو خواتین کی ترقی میں رکاوٹ قرار دینے کی آوازیں بھی کہیں کہیں سنائی دینے لگی ہیں۔ Women empowerment بھی آج کا ایک خوب صورت نعرہ ہے، جس کی روشنی میں تقریبا وہ عملی اقدامات ہو رہے ہیں جو یورپ نے اپنے صنعتی انقلاب کے دورمیں کیے تھے۔ اس نظریے کے مطابق جب تک مذہب کے دقیانوسی تصورات سے چھٹکارا نہیں پایا جاتا، ترقی نہیں ہوسکتی۔ آج کے ہمارے تحفظِ حقوقِ نسواں کا مقصد بھی پاکستانی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں برابر کا حصے دار بنانا ہی نہیں بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر مالی، صحافتی، قانونی اور انتظامی تائید و امداد فراہم کرکے اس قابل بنانا ہے کہ وہ حکومت چلائیں، اداروں کی سربراہ ہوں، سردی ہو یا گرمی، چوک میں کھڑی ہوکر ٹریفک کنٹرول کریں، پولیس کی وردی پہن کر مجرموں کی سرکوبی کریں، جہاز اڑائیں، ڈرائیور کنڈکٹر بنیں، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ رہے جہاں مردوں کی اجارہ داری ہو، ہر جگہ خواتین ملک و ملت کی ترقی میں ا پنا حصہ ڈالیں۔ اب یہاں خواتین کے حقوق کی با ت بطورِ خواتین نہیں بلکہ معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے ہے جس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

اس مقالے کا مقصدترقی کی رفتار میں رکاوٹ ڈالنا یا خواتین کی حق تلفی پر مبنی دقیانوسی نظام کی وکالت کرنا نہیں، بلکہ قرآنِ مجید کے نظریۂ ازدواج کی روشنی میں معاشرے کی ترقی میں مرد و زن کے کردار کاعلمی مطالعہ کرنا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق مساواتِ مرد و زن کی تعبیر یوں ہے کہ ان دونوں بشری صنفوں کا کردار ہم وزن ہے ،ہم شکل نہیں۔

اسی کو زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے کی تشکیل، تعمیر اور ترقی میں مرد اور عورت دونوں کا کردار اہمیت اور کا رکردگی کے لحاظ سے برابر ہے مگر ان میں سے ہر ایک کے کردار کی ماہیت، حقیقت اور صورت مختلف ہے۔ ہر ایک کا اپنے اپنے دائرے میں کردار اپنی نوعیت کی توانائی پیدا کرتا ہے، پھر دونوں طرف کی توانائی کے مخصوص قدرتی اثرات ہیں جوایک خود کار نظام کے تحت مل کر معاشرے کی گاڑی چلاتے ہیں، جب ان میں سے کوئی بھی اپنے مخصوص کردار میں کوتاہی کرتا ہے، یا اپنا کام چھوڑ کر صنفِ مخالف کا کردار اپنا لیتا ہے، یا دونوں صنفیں اپنا اپنا کردار چھوڑ بیٹھتی ہیں اور یہ کوتاہی افراد سے بڑھ کر طبقات تک پہنچ جاتی ہے تو معاشرے کی تشکیل، تنظیم، اخلاقی تربیت اور

فکری تحریک میں واضح تبدیلیاں نمایاں ہوتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قوموں کی Negative Ranking شروع ہو جاتی ہے اورجب غیر ذمہ دارانہ رویے قومی سطح پر فیشن بن جاتے ہیں تو انہی کی بنیاد پر قوموں کے عروج وزوال کی تاریخیں رقم ہوتی ہیں۔ قرآنِ مجید نے قوموں کے عروج وزوال کی ایک صورت یوں بیان کی ہے:

﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [سورۂ روم ۳۰:۹-۱۰]

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہوں نے دیکھا ہو کہ ان سے پہلے جو لوگ تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے اور انہوں نے زمین میں ہل چلائے تھے اور ان سے بڑھ کر اسے آباد کیا تھا ،اور ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے تھے! چنانچہ اللہ تو ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے برائی کی تھی ان کا انجام بھی برا ہی ہوا ، کیوں کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑایا کر تے تھے)۔

فکری اورعملی پستی کے نتیجے میں آنے والے انقلاب کی ایک کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [سورۂ مائدہ ۵: ۵۴]

(اے ایمان والو! اگرتم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ، وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے)۔

مصور پاکستان علامہ اقبالؒ بھی شاید اپنی قوم کو یہی بات سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں:

آ تجھ کو بتاؤں تقدیر امم کیا ہے — شمشیر و سنا ن اول طاؤس ورباب آخر

تصورِ ازدواج

اس تمہید کے بعدقرآنِ مجید کے تصورِ ازدواج پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو اس مقالے کی اصل بنیاد ہے۔ اس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام جوڑوں کی مدد سے چل رہا ہے، جوڑوں کے افراد مستقل بالذات نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا دائرۂ کار، تقسیم کار اور صلاحیتیں مختلف ہیں۔ ہر فرد اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے ایک خاص قسم کی توانائی پیدا کرتا ہے جو اس کے ساتھی فرد کی پیدا کی ہوئی توانائی سے مناسبت رکھتی (Compatible) ہے. جوڑے کے دونوں افراد ایک دوسرے کے کام میں دخل نہیں دیتے، مگر ان دونوں کی اپنے اپنے دائرۂ کار میں پیدا کی ہوئی توانائی ایک خود کار نظام قدرت کے ذریعے یکجا ہو کر ایک دوسرے کے عمل کی تکمیل کرتی ہے، جس سے اس کا ئنات کا ایک یا ایک سے زیادہ سرکل چلتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کی کارکردگی میں کسی طرح کا خلل آئے تو اس جوڑے سے متعلقہ سرکل میں کمزور ی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[سورۂ ذاریات ۵۱: ۴۹]

(اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو)۔

سائنسی مثالیں

اس نظریے کی قرآنی مثالیں پیش کرنے سے قبل تصورِ ازدواج سے متعلق کچھ سائنسی حقائق کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مقالے میں سائنسی مثالوں کی حیثیت تائیدی ہے جب کہ تحقیقی عمل کی اصل بنیاد قرآنِ مجید ہے جس کے حقائق حتمی اور ابدی ہیں۔ سائنسی حوالے سے یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ساری کائنات عناصر سے مل کر بنی ہے۔ پھر ہر جاندار کا چھوٹے سے چھوٹا عنصر (Cell) کہلاتا ہے اور ہر بے جان چیز کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی ذرہ (Atom) ہے۔ کچھ عرصے تک تو سائنسی تحقیق ایٹم پر ہی اٹکی رہی لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ ایٹم بھی قابل تقسیم ہے اور اس کے اندر بھی ایک دنیا بستی ہے۔ اس دنیا کے اپنے عناصر ہیں۔ اس کے تین بنیادی عناصر پروٹان (protan)، نیوٹران (Nutron) اور الیکٹران (Electron) ہوتے ہیں۔ پروٹان اور نیوٹران مرکزے کے اندر ہوتے ہیں، جن میں سے نیوٹران بظاہر کوئی چارج پیدا نہیں کرتا جب کہ پروٹان پر مثبت چارج ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرکزے پر بھی مثبت چارج ہوتا ہے۔ ادھر الیکٹران مرکزے کے اندر نہیں، باہر ہوتا ہے اور اپنے مخصوص راستوں سے مرکزے کے گرد چکر لگاتا

رہتا ہے۔ اس پر منفی چارج ہوتا ہے۔ ایک ایٹم کے اندر پروٹان اور اس کے باہر الیکٹران کی تعداد برابر ہوتی ہے جس کی وجہ سے مثبت اور منفی چارجز برابر رہتے ہیں اور ایک ایٹم مجموعی طور پر نیوٹرل شمار ہوتا ہے۔ پھر عناصر ایک خاص نسبت سے مل کر مرکبات بناتے ہیں جس میں پروٹان اور الیکٹران کے ان جوڑوں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے اگر ان کے مثبت یا منفی چارج کسی طرح ختم کر دیے جائیں تو مرکبات کی تشکیل ممکن نہیں رہتی(۷)۔

جوڑے کی دوسری سائنسی مثال مقناطیس سے دی جا سکتی ہے جس کی طاقت سے دنیا بھر کی مشینری حرکت میں ہے۔ مقناطیس کے دو قطب ہوتے ہیں جو قطبِ جنوبی (South pole) اور قطبِ شمالی (North pole) کہلاتے ہیں، ان دونوں کی خصوصیات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ ایک جیسے دو قطب آمنے سامنے ہوں تو وہ ایک دوسرے کو دور دھکیلتے ہیں جب کہ مخالف سمت کے قطب ایک دوسرے کے لیے کشش کا باعث ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا بھر کا مشینی نظام چل رہا ہے(۸)۔

جوڑے کی تیسری مثال برقی رو ہے، بجلی اِنسانی زندگی میں یوں اہمیت اختیار کر گئی ہے جیسے جسم میں روح۔ اس کا نظام بھی ایک جوڑے پر ہی چل رہا ہے، کہیں بھی برقی توانائی کی فراہمی کے لیے مثبت اور منفی رو کی حامل دو تاروں کا سہارا لیا جاتا ہے، جن میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا کام اور اپنی اپنی خصوصیات ہیں، مگر وہ ایک دوسری کے لیے اس قدر اہم ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دوسری کی مدد کے بغیر برقی رو کی فراہمی کا فریضہ سر انجام نہیں دے سکتی۔ مگر دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان دونوں کو اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہ کر اپنا کام کرنا پڑتا ہے(۹)۔ یہی حال بیٹری سے حاصل کی جانے والی توانائی کا ہے، اس میں بھی مثبت اور منفی تاروں کے لیے الگ الگ قطب بنائے جاتے ہیں۔

کمپیوٹر کی ایجاد نے انسانی زندگی میں انقلاب بپا کر دیا ہے۔ چھوٹے بڑے اور اچھے برے، کروڑوں کام اس کی مدد سے پل بھر میں ہو رہے ہیں مگر اس کی حقیقت پہ جائیں تو ایک ثنائی زبان (Binary Language) کا نظام اس کی کل کائنات ہے، گویا یہ بھی جوڑے ہی کا مرہونِ منت ہے(۱۰)۔

قرآنی مثالیں

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے جوڑوں کی مثالیں دی ہیں، سب کا احاطہ تو یہاں ممکن

نہیں، بطورِنمونہ چند ایک کا تذکرہ کیا جاتاہے:

۱۔انسانوں اور جانوروں کے جوڑے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَّذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾[سورۂ شوریٰ۴۲: ۱۱]

(وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے ہیں، اور مویشیوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اس ذریعے سے وہ اس میںتمہاری نسل چلاتا ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے ، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے)۔

۲۔مختلف جانوروں کے جوڑے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا. كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓ الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ......﴾ [سورۂ اَنعام۶: ۱۴۲-۱۴۴]

(اور چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے بھی اور زمین سے لگ کر چلنے والے بھی پیدا کیے۔اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کےنقشِ قدم پر نہ چلو، یقین جانو! وہ تمہارے لیے ایک کھلا دشمن ہے۔اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے ہیں۔ دو بھیڑوں سے اور دو بکریوں سے۔ آپ ان سے پوچھیے کہ: کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں ہو؟ اگر تم سچے ہو تو علم کی روشنی میں مجھے جواب دو! اور اسی طرح اونٹوں کی بھی دو صنفیں پیدا کی ہیں اور گائے کی بھی دو......)۔

۳۔پھلوں کے جوڑے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا. وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[سورۂ رعد۱۳: ۳]

(اور وہی ذات ہے جس نے یہ زمین پھیلائی، اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور اس میں ہرقسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے پیدا کیے، وہ دن کو رات کی چادر پہنا دیتا ہے۔ یقیناً

ان ساری باتوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں)۔

۴۔ جنت میں پھلوں اور چشموں کے جوڑے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ. فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ. فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ [سورۂ رحمن ۵۵: ۴۶–۵۳]

(اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا تھا، اس کے لیے دو باغ ہوں گے۔ تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ شاخوں سے بھرے ہوئے! تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ انھی دو باغوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں ہر پھل کے دو دو جوڑے ہوں گے۔ تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

پہلی اور دوسری مثال میں انسانوں اور جانوروں کے جوڑوں کا تذکرہ ہے ،جب کہ دوسری اور تیسری مثال میں درختوں، چشموں اور پھلوں کے جوڑوں کا ذکر ہے۔ انسانی اور حیوانی جوڑے عموماً فطری شمار ہوتے ہیں، ہر کوئی انہیں دیکھ اور محسوس کر سکتا ہے، کیوں کہ انسانوں اور جانوروں میں تذکیر و تانیث ہر شخص کو معلوم ہو جاتی ہے مگر دیگر اشیاء، پھلوں، چشموں اور درختوں وغیرہ کے جوڑے معلوم کرنے کے لیے سائنس کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے، مندرجہ بالا مثال نمبر ۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ کا جملہ ﴿نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (اگر تم سچے ہو تو علم کی روشنی میں مجھے جواب دو!) علم وحی کو سائنسی تحقیق سے ثابت کرنے پر اصرار کرنے والے اہل علم و دانش کے لیے بڑا دلچسپ جملہ ہے۔ سائنس یقیناً ان امور پر تحقیق کر بھی رہی ہے، کچھ حقائق اس پر منکشف ہو گئے ہیں اور کچھ دیگر ابھی سربستہ راز ہیں۔ کلام الٰہی قرآنِ مجید اس سلسلے میں حتمی فیصلہ کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، سائنس قیامت تک اپنا کام کرتی رہے گی، دیکھیے کس قدر سفر طے کر پاتی ہے۔ جوڑوں کی ان مثالوں سے ہمارا مقصد اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات اور اپنا اپنا دائرۂ کار ہے جس میں اپنی صلاحیتیں صرف کرکے وہ اس نظام ہستی کو چلانے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کا یہ فطری وظیفہ افزائش نسل بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے کام بھی جن سے توانائی پیدا (Energy production) بھی ہوتی ہے، اس کی تخزین(Storage) بھی ہوتی اور استعمال کے لیے تیاری(Processing) بھی۔ جب ہم جوڑوں کی بات کرتے ہیں تو اس کے

لیے عرفِ عام میں تذکیر و تانیث کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، سائنسی زبان میں انہی کو مثبت اور منفی (Positive & Negative)۔ سورۂ فتح میں دو مرتبہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾(اور زمین و آسمان کے لشکر اللہ کے ہیں) میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ نظامِ کائنات چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توانائی کے لا محدود وسائل پیدا کیے ہیں، جس کی حقیقت پانے کے لیے سائنسی تحقیقات جاری ہیں۔ ان دونوں مقامات میں سے ایک مقام پر اطمینانِ قلب اور سکینہ کو ایک لشکر قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ [سورۂ فتح ۴۸: ۴]

(وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

اس کے ساتھ ہی منافقین اور مشرکین کو عذاب دینے کا تذکرہ فرما کر پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا﴾[سورۂ فتح ۴۸: ۷]

(اور آسمان اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اوراللہ غالب اور حکمت والا ہے) ۔

انہی ارشادات باری تعالیٰ کو سامنے رکھ کر ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [سورۂ ذاریات ۵۱: ۴۹] (اورہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) کی تحقیق کی جائے تو نظام کائنات میں ازدواجی تفاعل کی واضح مثالیں قدم قدم پر ملیں گی۔

تکوینی جوڑے

تکوینی جوڑوں میں، زمین اورآسمان، رات اور دِن، پہاڑ اور دریا وغیرہ کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر ان میں سے صرف ایک جوڑے کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾[سورۂ ذاریات ۵۱: ۲۲]

(اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ ہے آسمانوں میں ہے)۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَرَءَ یْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ [سورۂ یونس ۱۰ : ۵۹]

(کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھیے! کیا اللہ نے اس کا تمہیں حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو؟)۔

ان دونوں آیاتِ طیبات میں سے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا رزق آسمانوں میں ہے اور دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ہی ہمارے لیے رزق اتارتے ہیں، مگر رزق جس کا تصور ہمارے ہاں عموماً غلے، سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں مرکوز رہتا ہے، اسے ہم نے کبھی آسمان سے اترتے نہیں دیکھا بلکہ ہم پورے یقین کے ساتھ یہ بات مشاہدہ کرتے اور مانتے ہیں کہ یہ رزق زمین سے پیدا ہوتا ہے، پھر قرآنِ مجید کی دی ہوئی معلومات اور مشاہدے کے تضاد کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنا نہ تو ایک سائنس دان کے لیے مشکل ہے، نہ ہی قرآنِ مجید پر غیر متزلزل یقین رکھنے والے مسلمان کو اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے۔ اس کا طبعی حل یہی ہے کہ یہ رزق زمین اور آسمان کے باہمی تفاعل سے پیدا ہوتا ہے، جس میں وہ دونوں اپنی اپنی خصوصیات کے مطابق اپنے اپنے دائرۂ کار کے اندر رہتے ہوئے اپنا اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے ہیں جس سے رزق کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔

سائنس دان کہتے ہیں کہ آسمان [ان کے بقول خلا کی بلندی] کی طرف سے زمین پر پہنچنے والی تپش کے نتیجے میں زمین کا پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہے، پھر آسمان پہ اس سے بارش تیار ہوتی ہے اور زمین کی طرف اترتی ہے۔ اس بارش کی مدد سے زمین کی مٹی میں ملا ہوا بیج پھٹتا ہے اور دھیرے دھیرے پودے کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مثال ایک کھیتی سے دیتے ہوئے فرمایا:

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [سورۂ فتح ۴۸: ۲۹]

(وہ ایک کھیتی کی طرح ہیں جس نے پہلے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی اور اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے

گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے)۔

اسی بارش کو قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر رزق کے لفظ سے ذکر کیا ہے، ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾ [سورۂ جاثیہ ۴۵: ۵-۶]

(اور رات اور دن کے آگے پیچھے جانے میں اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کیا اس میں، اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اب یہ لوگ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس پر ایمان لائیں گے؟)۔

جو رزق اس ذریعے سے پیدا ہوتا ہے وہ صرف انسانوں کے لیے نہیں ہوتا بلکہ جانوروں کا رزق پیدا کرنے کے لیے بھی قدرت نے یہی نظام جاری فرمایاہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ﴾[سورۂ سجدہ ۳۲: ۲۷]

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں، پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ بھی۔ تو یہ دیکھتے کیوں نہیں؟)

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ . يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[سورۂ نحل ۱۶: ۱۰-۱۱]

(وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے)۔

مفسر شنقیطی لکھتے ہیں: ﴿فِیْهِ تُسِیْمُوْن﴾ کا معنی یہ ہے کہ تم لوگ ان میں اپنے چوپاؤں کو کھلا چھوڑ دیتے ہو کہ چرتے پھرتے ہیں۔

تخلیقِ رزق میں بارش کے کردار کے علاوہ سائنس سورج کی کرنوں اور دھوپ کی صورت میں پہنچنے والی توانائی کے کردار کو بھی ثابت کر چکی ہے۔ زمین اور آسمان کے باہمی تفاعل سے نہ صرف غلے، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتے ہیں بلکہ زمین کی معدنیات اور دیگر خزانوں کی پیداوار اور افزائش بھی اہلِ علم سے مخفی نہیں(۱۱)۔ اب اگر زمین یا آسمان میں سے کسی میں اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت نہ رہے یا کسی وجہ سے وہ اپنا مخصوص کردار ادا نہ کریں تو رزق حاصل نہ ہو گا، یا اگر کسی ذریعے سے ہو گیا تو ناقص ہو گا۔

پھر آسمان سے ایک ہی پانی اترتا ہے مگر زمین میں زرخیزی کی صلاحیت یا بیج مختلف ہونے کی وجہ سے پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ درجِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ سے اس عمل کی کچھ وضاحت ہو جاتی ہے:

> **﴿وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ﴾**[سورۂ اعراف ۷: ۵۷– ۵۸]
>
> (وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں، پھر بادل سے بارش برساتے ہیں، پھر بارش سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر کے باہر نکالیں گے۔ یہ اس لیے کہ تم نصیحت پکڑو۔ جو زمین پاکیزہ ہے اس میں سے اس کا سبزہ میں سے اس کے رب کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے وہ بے کار ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو شکر گزار لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں)۔

اسی طرح زمین وآسمان کے باہمی تفاعل کی ایک مثال یوں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا وَ مِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ فَاَمَّا

الزَّبَدُ فَیَذۡهَبُ جُفَآءً وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ﴾ [سورۂ رعد ۱۳: ۱۷]

(اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے، پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، چنانچہ جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور جو کچھ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے)۔

جب ہم ازدواجی جوڑوں اور ان کے اپنے اپنے کردار کے بارے میں بات کر چکے تو انسانی جوڑوں کے اپنے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں کردار کا ذکر ہمارے اصل موضوع کی طرف التفات ہے۔ تعمیر و ترقی کیا ہے؟ اس کی تعریف اور تعبیر مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہو سکتی ہے اور اس کی بناء پر انسانی جوڑوں کے کردار مختلف ہو جاتے ہیں۔ یہ مقالہ چونکہ قرآنی تصور ازدواج پر مشتمل ہے اس لیے انسانی جوڑوں کا کردار ذکر کرنے سے پہلے قرآن کی زبانی ترقی یافتہ معاشرے کے خد و خال کا تذکرہ یہاں ضروری ہے تاکہ اسی سیاق و سباق میں ازدواجی کردار کا تعین ہو سکے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں یہ خد و خال درج ذیل ہیں:

ترقی یافتہ معاشرے کے خدو خال

۱۔ خوشگوار زندگی: قرآنِ مجید نے ایک مثالی زندگی کو ﴿حَیَاۃً طَیِّبَۃً﴾ کہا ہے اور اس حیات طیبہ کے خدوخال مختلف الفاظ میں بیان کیے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَ لَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ [سورۂ نحل۱۶: ۹۷]

(جو شخص نیک اعمال کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو خوش گوار زندگی سے زندہ رکھیں گے اور ہم یقیناً ان لوگوں کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے)۔

۲۔ بال بچے اور رزق کی فراوانی: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَ حَفَدَۃً وَّ رَزَقَکُمۡ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴾[سورۂ نحل ۱۶ : ۷۲]

(اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں۔ تو کیا اب یہ لوگ بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟)

۳۔ اسباب معیشت کی فراوانی: اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ﴾[سورۂ ہود ۱۱ : ۵۲]

(اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور گنہگار بن کر روگردانی نہ کرنا)۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا. ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا. فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا. يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا. وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا . مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا.﴾[سورۂ نوح ۷۱:۸–۱۳]

(پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا۔ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے)۔

۴۔ امن و سلامتی: اللہ تعالیٰ نے قوم قریش کو جب اپنی عبادت کی دعوت دی تو اپنے اسی احسان کا ذکر فرمایا کہ انہیں بھوک کی حالت میں کھانا فراہم کیا اور خوف سے بچا کر امن بخشا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ. اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ. الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾ [سورۂ قریش ۱۰۶ : ۱–۴]

(قریش کے مانوس کرنے کے سبب۔ ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ اب تو ان لوگوں کو چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا)۔

امن و سلامتی کا مسئلہ آج پوری دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جس نے معاشرے کی جڑیں ہلا کر رکھ دی ہیں، قرآنِ مجید نے جہاں ترقی یافتہ معاشرے کے قیام کے دیگر پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کی ہے وہاں امن وسلامتی کے حصول کے لیے بھی رہنما اصول فراہم کیے ہیں۔ یہاں ترقی کے اسباب ذکر کرنے کے بعد خصوصیت سے اس مسئلے کے بارے میں چند قرآنی ہدایات درج کی جاتی ہیں:

تعمیر و ترقی کے حصول کا دارومدار

سورۂ تین میں انسانیت کا اصل مقام ﴿ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴾ (بہت اچھی صورت) بتا یا گیا ہے اور اس مقام بالا کے تحفظ کے لیے واحد ذریعہ عمل صالح اور حق و استقامت کی باہمی تلقین کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسانی فرد یا معاشرہ اپنے مقام و مرتبہ سے گر کر تنزلی کی گھاٹیوں میں چلا جائے تو اس کی نشأۃ ثانیہ کا واحد ذریعہ بھی عملِ صالح ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ . ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ . اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ .﴾[سورۂ تین ۹۵: ۴–۶]

(یقیناً ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو بدل کر پست سے پست کر دیا۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے)۔

اسی طرح سورۂ عصر میں بطبیعتِ حال انسانی خسارے کا تذکرہ کر کے عمل صالح اور حق و استقامت کی باہمی تلقین کو اس کی نشأۃ ثانیہ کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ نحل میں ﴿حَیٰوةً طَیِّبَةً﴾ [سورۂ نحل ۱۶: ۹۷] کو ایک مثالی معاشرے (Model Society) کا نمونہ قرار دے کر اس کے حصول کا طریقہ عملِ صالح بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ترقی یافتہ معاشرے کے جو خدوخال سطورِ بالا میں ذکر کیے گئے ہیں ان سب کے حصول کے لیے عملِ صالح ہی کو بنیاد قرار دیا ہے۔

عملِ صالح

اب دیکھنا یہ ہے کہ عمل صالح کیا ہے جس سے ایک خوشگوار زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ عرفِ عام میں نماز ،روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت قرآنِ مجید اور ذکر اذکار وغیرہ کو عمل صالح کہا جاتا ہے، مگر عربی زبان میں اور خود قرآنِ مجید میں عملِ صالح کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عربی زبان کے حوالے سے تو ہر ''کارآمد'' فعل کو عمل صالح کہا جاتا ہے۔ لفظ صالح عربی مصدر صلاح سے ماخوذ ہے، مشہور امام لغت لفظ طلاح کی تشریح میں کہتے ہیں: ''طلاح، صلاح کا متضاد ہے اور صالح، طالح کے برعکس ہے، چنانچہ **طَلَحَ يَطْلُحُ طلاحاً** کا معنی فاسد ہو جانا ہے''۔(۱۲) المعجم الوسیط میں ہے: **الصالح: المستقيم المؤدي لواجباته، والصلاح: الاستقامة والسلامة من العيب** (صالح وہ ہے جو سیدھا ہو اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرے، اور صلاح کا معنی سیدھا ہونا اور عیب سے پاک ہونا ہے)(۱۳)۔ لفظ صلاح کے انگریزی مترادفات درجِ ذیل ہیں:

goodness; rightness; validity, fitness, suitability,appropriateness, propriety, adequacy, serviceability, usability, practicability, usefulness, utility, righteousness, uprightness, probity, integrity, honesty, piety, dutifulness(۱۴)

اس بنا پر یہ متعین ہو جاتا ہے کہ ہر برموقع اور مناسب حال کام کو عملِ صالح کہا جاتا ہے، جس سے اس کا ہدف ٹھیک طور پر پورا ہو سکے۔ جب بات قرآنی تناظر میں ہو رہی ہے تو عبدالرحمٰن ناصر السعدی کے مطابق ''عمل صالح سے مراد دین حق ہے''۔(۱۵) شیخ محمد الغزالی لکھتے ہیں:

من تمام العمل الصالح أن نقدره قدره، وأن لانتجاوز به حدوده(۱٦)

(عمل صالح کا کامل درجہ یہ ہے کہ اِسلام کے احکام کو ان کے موقع و مناسبت کے مطابق بجا لایا جائے اور یہ کہ ہم اس کی حدود سے تجاوز نہ کریں)۔

امام ابن تیمیہؒ عمل صالح کی تعریف یوں کرتے ہیں:

العمل الصالح هو المشروع، وهو طاعة الله ورسوله،وهو فعل الحسنات التي يكون الرجل به محسناً (۱۷)

(عملِ صالح ہر جائز کام کو کہتے ہیں، اور وہ اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نام ہے اور اس سے مراد بھلائی کے کام کرنا ہے جن سے انسان محسن کہلاتا

ہے)۔

ابو اسحاق الزجاج کہتے ہیں:

الصالح: الذي يؤدي إلى الله ما افترض عليه، ويؤدي إلى الناس حقوقهم(۱۸)

(صالح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے وہ فرائض ادا کرے جو اس نے اس پر عائد کیے ہیں، اور لوگوں کے لیے ان کے حقوق ادا کرے)۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمل صالح میں دین یا دنیا کی تخصیص نہیں ہے بلکہ دارین میں ہر طرح کی خیر و خوبی کے حصول کے لیے جو جائز کام کیا جائے وہ عمل صالح ہے ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہی بتاتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمایا کرتے تھے:

اللهم اصلح لي ديني الذي هو عصمة أمري،و اصلح لي دنياي التي فيها معاشي، واصلح لي آخرتي التي فيها معادي، واجعل الحياة زيادة لي في كل خير، واجعل الموت راحة لي من كل شر(۱۹)

(اے اللہ! میرے لیے میرے دین کی اصلاح کر دے جو میرا سب کچھ ہے، اور میرے لیے میری دنیا درست کر دے جس میں میری زندگی کا سامان ہے اور میرے لیے میری آخرت درست کر دے جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ اور میری مزید زندگی ہو تو اسے میری ہر بھلائی میں اضافے کا ذریعہ بنا اور جب موت آئے تو اسے میرے لیے ہر شر سے جان چھوٹ جانے کا ذریعہ بنا دے)۔

تعمیر و ترقی میں عملِ صالح کا کردار

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ بر موقع، مناسب اور مفید اقدام عملِ صالح ہے۔ یہ ایک تکوینی اصول بھی ہے، انسانی کاروبارِ زندگی کا اصول بھی اور شریعت کا اصول بھی کہ جو چیز یا جو عنصر جس کام کے لیے بنایا گیا ہے وہی کام اس کے لیے مناسب ترین ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی چیز کا اپنی فطرت کے علاوہ استعمال یا اقدام وقتی طور کام چلا جائے یا نفع دے جائے مگر اس کی جو کارکردگی اس کے اپنے دائرۂ کار میں ہو سکتی ہے وہ اس سے باہر نہیں ہو سکتی، بلکہ دائرۂ کار کے باہر چیزوں کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔قلم کو جسم کھجانے کے لیے استعمال کیاجائے، فور ویلر گاڑی کو ہل چلانے کے لیے جوت دیا جائے، مرد کو کچن میں گھسا دیا جائے عورت کو مزدوری پہ لگا دیا

جائے تو یقیناً یہ سب کام کسی حد تک ہو جائیں گے مگر اس سے ان عناصر کی کارکردگی پر بھی منفی اثر پڑے گا، کام میں کہیں نہ کہیں کمی یا کجی بھی رہ جائے گی اور اس میں استعمال ہونے والے عناصر کے اصل کاموں پر منفی اثرات بھی ہوں گے۔

عملِ صالح کی قرآنی اصطلاح کے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

عملِ صالح کے ذریعے حیاتِ طیبہ (خوشگوار زندگی) کے حصول کے بارے میں سورۂ نحل [۱۶] کی آیت[۹۷] سطور بالا میں گزر چکی۔ ذیل میں امن و سلامتی کے حصول کے لیےعملِ صالح کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ.وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [سورۂ بقرہ۲:۳۸-۳۹]

(اور ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[سورۂ بقرہ۲: ۶۲]

(جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست، جو بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں ملے گا اور ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[سورۂ بقرہ۲: ۱۱۱-۱۱۲]

(اور کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا، یہ ان لوگوں کی آرزوئیں ہیں۔ کہہ دیجیے! اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکادے اور نیکو کار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

یہ بھی ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[سورۂ مائدہ ۵: ۶۸–۶۹]

(کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب !جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوا، اس کو قائم نہ رکھو گے، تو کسی بھی راہ پر نہیں ہو سکتے۔ اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔ جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا ستارہ پرست یا عیسائی، ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[سورۂ انعام۶:۴۸]

(اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لے آئے اور نیکو کار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے)۔

اور فرمایا:

﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[سورۂ اعراف۷:۳۵]

(اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں اور ہماری آیتیں تم کو سنایا کریں

تو جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی حالت درست کر لی تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

ایک اور ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴾ [سورۂ احقاف ۴۶:۱۳]

(جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

اسی طرح سورۂ ہود [۱۱، آیت: ۵۲] اور سورۂ نوح [۷۱، آیات:۸-۱۳] کے حوالے سے استغفار کے ذریعے آل اولاد اور اسباب معیشت کی فراوانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ ایک عمومی قاعدہ کلیہ general principle کے طور پر عمل صالح کو ہر خیر کی راہ ہموار کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ.لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِہٖ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾[سورۂ روم ۳۰:۴۴-۴۵]

(جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے ہی لیے آرامگاہ درست کرتے ہیں)۔

عملِ صالح میں کوتاہی کی وجہ سے اسباب معیشت چھن جاتے ہیں اور قومیں تنزل کا شکار ہوتے ہوتے تباہ ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡہِمۡ مِّدۡرَارًا وَّ جَعَلۡنَا الۡاَنۡہٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمۡ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ وَ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ.﴾[سورۂ انعام ۶:۶]

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیے تھے کہ تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں جو ان کے نیچے بہہ رہی تھیں پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور ان کے بعد اور امتیں پیدا کر دیں)۔

اسی کی ایک مثال قوم سبا کے واقعہ میں قدرے تفصیل سے بیان کی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْر. فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْل. ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ. وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ. فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْر. وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ.﴾[سورۃ سبا۳۴:۱۵–۲۱]

(اہل سبا کے لیے ان کے مقام بود وباش میں ایک نشانی تھی، دو باغ داہنی طرف اور بائیں‌طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ پاکیزہ شہر ہے اور بخشنے والا رب۔ تو انہوں نے منہ پھیر لیا، تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیے جن کے میوے بد مزہ تھے اور جن میں‌کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی، بستیاں آباد کر رکھی تھیں دُور سے نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا۔ سفر کرو ان میں رات اور دن بے کھٹکے۔ پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پرظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔ بے شک اس واقعہ میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور واقعی ابلیس نے اپنا گمان اُن لوگوں کے بارے میں صحیح پایا۔ چنانچہ یہ لوگ اس کی راہ پر ہو لیے بجز ایمان والوں کے گروہ کے۔ اور اس کا جو تسط اُن لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لیے ہے کہ ہم معلوم کر لیں ان لوگوں پر جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگران ہے)۔

اس بحث سے معلوم ہوگیا کہ عمل صالح میں عبادات بھی شامل ہیں اور ہر طرح کے رفاہی کام بھی بشرطیکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو ۔ اسلام میں دین اور دنیا کا فرق نہیں بلکہ اطاعت

اور معصیت کا فرق ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور ناکامی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امام زجاجؒ نے صالح کی جو تعریف کی ہے وہ سطور بالا میں مذکور ہے۔ اس کی عبارت: **الصالح: الذي يؤدي إلى الله ما افترض عليه، ويؤدي إلى الناس حقوقهم** (صالح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے وہ فرائض ادا کرے جو اس نے اس پر عائد کیے ہیں، اور لوگوں کے لیے ان کے حقوق ادا کرے) عملِ صالح کی اس بحث کا خلاصہ قرار دی جا سکتی ہے۔

جس طرح زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں جوڑوں کے عمل دخل کی مثالیں دی گئیں، اسی طرح معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے اجتماعی عمل صالح میں انسانی جوڑوں کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ عملِ صالح کو جوڑوں کے ساتھ منسلک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح ہر ادارے کو چلانے کے لیے اس کے اہل کاروں میں تقسیم کار ہوتی ہے اسی طرح انسانی معاشرے کا نظام چلانے کے لیے مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار(Job description) موجود ہے جس کا مطالعہ ہم قرآنِ مجید کے تصور ازدواج کی روشنی میں کر رہے ہیں۔

جانداروں میں جب جوڑوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو عام طور پر ذہن جنسی جوڑے کی طرف جاتا ہے۔ یہی صورت حال مرد عورت کے جوڑے کی ہے کہ جب اس کا تذکرہ ہو تو میاں بیوی مراد لیے جاتے ہیں یا مغربی معاشروں میں جنسی دوست مراد لیے جاتے ہیں مگر قرآنِ کریم نے مرد عورت کو بلحاظِ صنف بھی جوڑا قرار دیا ہے، جسے ہم فطری جوڑے کا نام دے رہے ہیں۔ اسی طرح مرد عورت جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو انہیں بھی زوجین کہا گیا ہے، اسے ہم شرعی جوڑا کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ایک اجنبی مرد ایک اجنبی عورت کے ساتھ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رشتۂ ازدوج میں منسلک ہوتا ہے۔ اس طرح قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مردوں اور عورتوں کے درمیان دو طرح کے جوڑوں کا تصور ملتاہے جن کی تعبیر ہم نے ذیل کے عناوین سے کی ہے:

أ۔ مرد عورت کا فطری جوڑا ب۔ مرد عورت کا شرعی جوڑا

أ۔ مرد عورت کا فطری جوڑا

قرآنی مجید نے جن آیات میں ازدواجی بندھن کے بغیر بھی مردوں اور عورتوں کو جوڑے قرار دیا ہے، ان میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا

يَعْلَمُوْنَ﴾[سورۂ یٰسین ۳۶:۳۶]

(وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے)

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَّذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾[سورۂ شوریٰ ۴۲:۱۱]

(وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے ، اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے۔ اسی طریق پر وہ تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى. مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى﴾[سورۂ نجم ۵۳: ۴۵-۴۶]

(اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ دو دو جوڑے بنائے، نطفے سے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى. اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى. ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى . فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى.﴾[سورۂ قیامۃ ۷۵:۳۶-۳۹]

(کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا؟ جو رحم میں ڈالی جاتی ہے، پھر لوتھڑا ہوا پھر اسی نے اس کو بنایا، پھراسے درست کیا، پھر اس سے جوڑے بنا دیے:ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت)۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ.﴾ [سورۂ شوریٰ ۴۲: ۴۹-۵۰]

(آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑے جوڑے عنایت فرماتا ہے۔ اور جس کو چاہتاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ جاننے والا، قدرت والا ہے)۔

طاہر بن عاشور سورۂ نجم میں ارشادِ باری تعالیٰ﴿ خَلَقَ الزَّوۡجَیۡنِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **هذه الآية وإن كانت مستقلة بإفادة أن اللهخالق الأزواج من الإنسان خلقا بديعامن نطفة فيصير إلى خصائص نوعه(۲۰)** (یہ آیت......مکمل طور پر اس مضمون پر مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک انوکھے انداز میں پیدا فرمایا کہ اس کی اصل تو نطفہ ہی ہے مگر پیدائش کے عمل میں وہ الگ الگ صنفی خصوصیات حاصل کر لیتا ہے)۔

عملِ صالح میں مساواتِ مرد و زن

قرآنِ مجید نے جس عملِ صالح کو حیاتِ طیبہ کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے وہاں بلاتخصیص مرد عورت دونوں کا ذکر ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ھُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَ لَنَجۡزِیَنَّھُمۡ اَجۡرَھُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ [سورۂ نحل ۱۶: ۹۷] (جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو پاک اور آرام کی زندگی میں زندہ رکھیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے)۔ اس طرح وہ دونوں عملِ صالح کے لحاظ سے برابر ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَاِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡئًا﴾[سورۂ الحجرات۴۹: ۱۴] (اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا) کے کلیے میں ان دونوں کے اعمال شامل ہیں۔

اب قرآنِ مجید کے تصور ازدواج کے تحت مرد اور عورت دونوں کے اعمال صالحہ تین طر ح کے ہیں ۔ کچھ اعمال اور رویے ایسے ہیں جو صنفین کے لیے ایک جیسے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو صرف مردوں کے ساتھ خاص ہیں اور کچھ وہ ہیں جو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ ان سب اعمال اور رویوں کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں، قرآنِ مجید کی روشنی میں دونوں صنفوں کے تخصصات کی کچھ مثالیں یہاں عرض کی جاتی ہیں:

معاشرتی ترقی میں فطری جوڑے کا کردار

فطری جوڑے کا ایک پہلو منفی(Negative) ہے اور دوسرا مثبت(Positive)۔ منفی پہلو کو سلبی اورمثبت کو ایجابی بھی کہا جا سکتا ہے۔ منفی پہلو کا قرآنی فلسفہ یہ ہے کہ عورت مرد کو ہر ممکن طریقے سے غیر ضروری اختلاط سے روکا جائے، تاکہ معاشرے کے وسیع تر مفاد میں فیملی یونٹ کے ذمے بنیادی طاقت کی پیداوار main production power کا جو کام لگایا گیا ہے اس کی کارکردگی متاثر نہ ہو

اور نہ ہی اس کی پیدا کی ہوئی طاقت کا کہیں غیر ضروری یا غیر قانونی اخراج ہو۔ یہ طاقت ایک طرف عفت، عصمت، حیا اور خود داری کی طاقت ہے جسے اگر معاشرے کی (Pressure seal) کا نام دے دیں تو شاید غلط نہ ہو۔ اس توانائی کے انتاج اور تحفظ کے لیے شریعت نے کئی عملی اقدامات بتائے ہیں، جن میں سے مثال کے طور پر نظروں کی حفاظت، شرمگاہوں کی حفاظت، پردے اور گھروں کے ذاتی تحفظ (Privacy Policy) کے اقدامات کا یہاں بطورِ مثال تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ان ہدایات میں مرد عورت دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں جنھیں پورا کیے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ جب مرد یا عورت ان ہدایات پر عمل کر کے شریعت کی منشا کو بجا لاتے ہیں تو یہی ان میں سے ہر ایک کے لیے عملِ صالح ہوتا ہے جس سے حیاتِ طیبہ تشکیل پاتی ہے۔

گھروں کے ذاتی تحفظ (Privacy Policy) کے سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ . فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلاَ تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ . لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ.﴾[سورۂ نور ۲۴:۲۷–۲۹]

(مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں ان کے رہنے والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتاہے۔ ہاں! اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی بستا نہ ہو، اور اس میں تمھارا سامان ہو، تم پر کچھ گناہ نہیں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اور جو پوشیدہ کرتے ہو خدا کو سب معلوم ہے)۔

نظروں اور شرم و حیا کی حفاظت کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوبِھِنَّ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُولَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُولَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ

اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُوْلِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[سورۂ نور ۲۴: ۳۰–۳۱]

(مومن مردوں سے کہہ دو، کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے، اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں، اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا، نیز ان خدّام کے سوا جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو لڑکیوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں، کسی پر اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں، اور اپنے پاؤں نہ پٹخیں کہ جو زیب و آرائش انہوں نے پردے میں رکھی ہوئی ہے اس کا پتہ چل جائے اور مومنو! سب اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

ان آیات کریمہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نظریں جھکائے رکھنے اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم تو مرد عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، مگر اسی ضمن میں عورت کو مزید ایسے احکام بھی ساتھ ہی دے دیے ہیں جو غیر مردوں کے ان کی طرف غیر شرعی میلان کی راہ میں رکاوٹ بن کر ان کی عفت و عصمت کی ضمانت بن سکتے ہیں۔ نظریں جھکانے کا یہی حکم حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس روایت میں بھی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایاکم والجلوس بالطرقات، قالوا یا رسول اللہ: مالنا بد من مجالسنا نتحدث فیها،فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:إذا ابیتم فاعطوا الطریق حقه ، قالوا: یارسول اللہ! وما حقه؟ قال: حق الطریق غض البصر، وکف الأذی، و رد السلام ، الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر.(۲۱)

راستوں میں مت بیٹھو، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! ہمارے لیے بیٹھے بغیر چارہ نہیں کیوں کہ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس سے باز نہیں آ سکتے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ!

اس کا حق کیا ہے تو آپ نے فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھے کاموں کی دعوت دینا اور برے کاموں سے روکنا۔

عفت وعصمت کے باب میں چوں کہ خواتین کو جارحیت کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس لیے نظروں اور شرمگاہوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انہیں مقاماتِ زینت کی پردہ پوشی کا بھی حکم دیا گیا۔ امام قرطبیؒ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ نظروں اور شرمگاہوں کی حفاظت کن چیزوں سے کی جائے، مگر یہ سب کچھ عموماً واضح ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے مراد حرام ہے حلال نہیں''۔(۲۲)

اب اگر ماحول کا عذر پیش کیا جائے تو اس کا حل صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: سعید بن ابی الحسن نے حضرت حسن سے عرض کیا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کھلے رکھتی ہیں تو انہوں نے فرمایا: اپنی نظریں پھیر لو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ.﴾[سورۂ نور ۲۴ : ۳۰]

(مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ جو کام یہ کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے)۔

دورِ جدید کے مشہور مصلح سید قطبؒ کہتے ہیں: ''اسلام اپنا صاف ستھرا معاشرہ قائم کرنے کے لیے سزاؤں کو بنیاد نہیں بناتا بلکہ وہ کسی بھی اقدام سے پہلے تحفظ کا انتظام کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ طبعی تقاضوں کا قلع قمع کرنے کی بجائے ان کے لیے ایک صاف ستھری فضا کی ضمانت دیتا ہے جس میں خود ساختہ محرکات کی کوئی جگہ نہیں۔ اس سلسلے میں اِسلامی اسلوبِ تربیت کا غالب عنصر بھٹکنے کے مواقع کو کم سے کم کرنا، فتنے کے محرکات کو دفع کرنا اور ہیجان کے ذرائع کا سدباب کرنے کے ساتھ ساتھ ان فطری تقاضوں کو پاکیزہ اور شرعی طریقوں کے ساتھ پورا کرنے کے راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر گھروں کی حرمت کا تصور دیا گیا جس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں تاکہ لوگوں کو اپنے گھروں کے اندر اچانک اجنبی لوگوں کا سامنا نہ کرنے پڑے، بلکہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنا اور اجازت نہ ملنے تک داخل نہ ہونا ضروری قرار دے دیا گیا۔ اس انتظام کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ لوگ اچانک دوسروں کے گھروں میں

داخل ہو کر ان کی نجی زندگی کو پامال نہ کریں، نہ ہی ان کے رازوں اور خفیہ امور پر مطلع ہوں۔ عورتوں اور مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم اور عورتوں کو زیب و زینت کی نمائش کرنے سے منع کرنا بھی خواہشاتِ نفس کو بھڑکانے سے روکنے کے ہی انتظامات ہیں...... اس کے مقابلے میں امیر غریب سب کے لیے نکاح شادی کا نظام جاری کرنا پاکدامنی کی حقیقی ضمانت ہے''(۲۳)۔

مرد عورت کے اسی غیر شرعی اختلاط کو روکنے کے لیے ہی خواتین کو پردے کا حکم دیا گیاجیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾[سورۃ الاحزاب۳۳: ۵۹]

(اے پیغمبر اپنے بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کو لٹکا لیا کریں، یہ اس سے قریب تر ہے کہ انہیں پہچان لیا جائے اور تکلیف نہ دی جائے)۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ضمن میں چھ مباحث بیان کیے ہیں جن میں سے پہلی بحث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد اطہار کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ دوسری بحث میں بتایا ہے کہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں کمزور کردار کی عادی ہوتی تھیں اور باندیوں کی طرح اپنے چہرے کھلے رکھ کر باہر نکلتی تھیں جس کی وجہ سے مردوں میں ان کی طرف دیکھنے اور ان کے تصور میں کھو جانے کا داعیہ پیدا ہوتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب خواتین کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا چاہیں تو اپنی چادریں چہروں پر لٹکا لیا کریں تاکہ ان میں اور باندیوں میں فرق واضح ہو جائے اور پردے کی وجہ سے آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے اور غیرشادی شدہ چھوکرے انہیں تنگ نہ کریں۔ اس کے بعد کے مباحث میں امام قرطبیؒ نے جلباب اور دوپٹے میں فرق اور چہرے پر جلباب لٹکانے کی کیفیت بیان کی ہے(۲۴)۔

یہاں عام طور پر جدید ذہنوں کی طرف سے ایک بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اِسلام نے آزاد اور غلام عورتوں کے درمیان اتنا واضح فرق کیوں روا رکھا ہے۔ آزاد عورتوں کے تحفظ کے لیے تو جلباب اور پردے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ باندیوں کو ان تمام خطرات کے اندر بے یارومدد گار چھوڑ دیا گیا جن سے آزاد عورتوں کو بچانے کا اہتمام کیا گیا تھا تو اس کے جواب کے لیے تفصیلی مقالے کی ضرورت ہے جس میں دنیا بھر کے نظام غلامی سے مثالیں دے کر اِسلام کے نظامِ تحفظ کو واضح کیا

جائے، اگر اللہ نے چاہا تو اس موضوع پر تفصیلی مقالہ لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں سردست یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اِسلام کا مزاج تربیتی اور انداز تدریجی ہے، جس برائی کی جڑیں معاشرے میں جس قدر مضبوط تھیں اسی قدر مضبوط حکمت عملی اور تدریجی عمل پیہم کے ذریعے معاشرے کو اس سے پاک کرنے کی سعی کی گئی۔ غلامی کا نظام چوں کہ ایک بین الاقوامی نظام تھا اور اس کی جڑیں مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی تھیں، غلام اور باندیاں اپنے خاندانوں اور قبائل سے کوسوں دور اپنی شناخت کھو چکے تھے، انہیں انسان کم اور سامان زیادہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس نظام کو کھوکھلا کرنے اور بھولے بسرے نام و نسب والے غلاموں اور باندیوں کو نام و نسب تلاش کرکے دینے یا ان کے اصل نام و نسب نہ مل سکنے کی صورت میں انہیں نئی نسبتیں الاٹ کرنے کا عمل ایک نہایت پائیدار حکمت عملی تھی جس پر کافی وقت صرف ہوا جب کہ معمول کے مواطنین اور شہریوں کے لیے احکام نسبتاً زیادہ تیزی سے نافذ ہوتے رہے۔ انہی احکام میں سے معمول کی شہری خواتین کے لیے پردے کا حکم بھی تھا جو کہ اس وقت باندیوں کے لیے ممکن ہی نہ تھا کیوں کہ وہ افراد کی ذاتی ملکیت شمار ہوتی تھیں اور ان کا معاشرے میں اختلاط بہت زیادہ تھا، اسی لیے ان کی نسبت نظروں کی حفاظت والی آیت پر عمل سے معاشرتی اقدار کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت بخاری کی اس روایت سے ہو سکتی ہے کہ:

سعید بن ابی الحسن نے حضرت حسن سے عرض کیا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کھلے رکھتی ہیں تو انہوں نے فرمایا: اپنی نظریں پھیر لو...... زہریؒ نے نابالغ لڑکیوں کی طرف دیکھنے کے بارے میں فرمایا: **لا یصلح النظر الی شیء منهن ،ممن یُشتهی النظر اِلیه واِن کانت صغیرة** (جن لڑکیوں کی طرف دیکھنے کی طرف نفس کی خواہش ہوتی ہو ان کے کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں اگرچہ وہ کم عمر ہی ہوں)...... **وکرہ عطاء النظر اِلی الجواري التي يبعن بمكة اِلا أن يريد أن يشتري** (عطاءؒ نے ان باندیوں کی طرف دیکھنے کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے جو مکہ میں بیچنے کے لیے لائی جاتی تھیں، سوائے اس کے کہ کوئی انہیں خریدنا چاہے)(۲۵)

ایک مسلم ریاست کی مکمل شہری خواتین کا تذکرہ بھی ہو چکا جن میں ضمناً غیر مسلم کلچر کی خواتین کا تذکرہ بھی آ گیا اور پھر کچھ تذکرہ باندیوں کا بھی ہوا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلم ریاست کی معاشرتی طور پر اعلیٰ درجے Upper Class کی خواتین کے ساتھ مردوں کے اختلاط کا تذکرہ بھی قرآنِ مجید کی روشنی میں ہو جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سربراہان حکومت، وزراء اور بڑے مناصب پر فائز لوگوں کی بیگمات مخلوط محافل میں شریک نہ ہوں یا پردے کی پابندی کریں تو یہ بات ان مناصب کے شایان شان نہیں، مگر قرآن پاک نے دنیا کو اپنا کلچر، اپنا تشخص اور

اپنی وضع قطع کا نظام دیا ہے۔ جس میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا خصوصیت سے تذکرہ ہے جیسا کہ آیت بالا میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ حکم نازل ہوا وہ صرف پیغمبر ہی نہ تھے مدینہ کی ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ اسی طرح ازواج رسول کو امّہات المؤمنین کہنے کے باوجود ان کی روحانی اولاد یعنی تمام مسلمانوں کو ان کے پردے کا لحاظ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور ضرورت پڑنے پر ان سے کچھ لین دین پردے کے پیچھے سے کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ﴾[سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۳]

(مومنو! پیغمبر علیہ السلام کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو۔ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو۔ یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ یہ تمھارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے)۔

سید قطبؒ لکھتے ہیں: ان آیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز معاشرت کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ کی اپنی ازواج کے ساتھ عائلی زندگی کیسی ہو، امہات المؤمنین کے دوسرے مردوں کے ساتھ تعلق کی حدود و قیود کیا ہوں، مسلمانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنا جانا کس طریقے سے ہو؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھرانے کے اللہ تعالیٰ کے ہاں، ملائکہ کے ہاں اور ملأ اعلیٰ کے ہاں مقام و مرتبے کا تذکرہ ہے۔ پھر ایک عمومی حکم بیان کیا گیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپؐ کی بنات طاہرات اور تمام مومن عورتیں شامل ہیں اور اس حکم کے ذریعے کسی انسانی ضرورت کے تحت گھروں سے باہر نکلنے کی صورت میں ان کے لیے بڑی اوڑھنیوں کا پلو چہرے پر لٹکا کر پردہ کرنے کو لازم کر دیا گیا۔(۲۶)

اگر غور کیا جائے تو سربراہانِ مملکت اور عمائدین ریاست کی خواتین کا مخلوط مجالس و محافل میں بغیر حجاب آنا اور خصوصاً غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ ان کا اختلاط ملکی پالیسیوں اور رموز و اسرار کے تحفظ

کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس امت کی پاکیزہ ترین خواتین میں سے تھیں مگر اس کے باوجود انہیں حکم دیا گیا:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا﴾[سورۂ احزاب۳۳: ۳۲-۳۳]

(اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگرتم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تونرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے، وہ کوئی لالچ نہ پیدا کرلے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہار تحمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو۔ اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتی رہو۔ اے اہل بیت! اللہ چاہتاہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے)۔

سطورِ بالا میں عورت مرد کے فطری جوڑے کے منفی یا سلبی پہلو کی چند مثالیں درج کی گئیں جو فطری ازدواج کے باوجود غیر محرم مرد عورت کے اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہنے اور بحالت مجبوری ایک دوسرے سے رابطے کی صورت میں اختیار کی جانے والی احتیاطی تدابیر کی واضح مثالیں ہیں۔ وہاں اس جوڑے کا باہمی تفاعل تو ہے مگر یہ تفاعل ان دونوں صنفوں کی اپنے اپنے دائرۂ کار میں کارکردگی سے پیدا ہونے والی معاشرتی قوت کی صورت میں ہے جو ایٹم کے الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی طرح یا مقناطیس کے قطب جنوبی اور قطب شمالی کی طرح اپنے اپنے مقام پر متحرک رہ کر حیاتِ انسانی کا معاشرتی سرکل چلاتی ہے۔ اگر ان دونوں قوتوں کے دائرہ ہائے کار خلط ملط ہو جائیں اور یہ اختلاط وسیع پیانے پر پھیل جائے تو معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور جس توازن سے اسے چلانا شریعت کا مقصود تھا وہ توازن بگڑ کر فساد، بے چینی، بد امنی اور بد سلوکی کا باعث بنتا ہے۔ اس بات کو قرآنِ مجید نے فحاشی کے پھیلاؤ سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[سورۂ نور۲۴: ۱۹]

(جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت

میں دکھ دینے والا عذاب ہو گا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)۔

آخرت کا عذاب تو ظاہر ہے، دنیا کے عذاب میں ایک طرف ان کارہائے بد کی شرعی سزا ہے اور دوسری طرف وہ دنیوی نقصانات ہیں جو ان غیر شرعی حرکات کی وجہ سے اخراجات اور وقت کے ضیاع کی صورت میں ہوتے ہیں۔ آج کل کے معاشرے میں فضول تحائف کا تبادلہ اور SMS کی لعنت میں برباد ہونے والی دولت، وقت اور انسانی صلاحیتیں اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ انسانی قوت حیویہ کا بے سود ضیاع اس پر مزید ہے کہ گناہ بے لذت کے اس کھیل کے انسانی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ امریکا، برطانیہ اور دیگر آزادِ محض معاشروں میں جاری کیے جانے والے سروے اس کا واضح ثبوت ہیں۔

اب اسی فطری جوڑے کے مثبت (Positive) پہلو پر ہلکی سی نظر ڈالتے ہیں۔ اس پہلو میں مرد اور عورت کے غیر جنسی اختلاط اور براہِ راست تفاعل کے ذریعے شریعت کی منشاء معاشرے کے مختلف شعبوں کو قوت فراہم کرنا ہے۔ یہ اختلاط باہم محرم مردوں عورتوں کے معاشرتی تفاعل پر مشتمل ہے۔ مردوں میں سے والد، چچا، ماموں، بھائی، بیٹے، نیز انہی رشتوں کے اوپر اور نیچے کے رشتوں کا صنف ثانی سے اپنے مقابل رشتوں بیٹی، بھتیجی، بھانجی، بہن اور انہی کے اوپر نیچے کے رشتوں کے ساتھ معاشرتی اختلاط اور تفاعل زندگی بھر کے لیے شفقت و احترام، محبت و خدمت اور تحفظ و اطاعت کے باہمی تقویتی عمل کی ایسی ضمانت ہے جو معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان کے استحکام کے کام آتی ہے۔ اس تفاعل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رشتوں میں بڑے افراد کی طرف سے شفقت، محبت اور تحفظ چھوٹے رشتوں کو مہیا ہوتا ہے اور چھوٹے رشتوں کی طرف سے احترام، خدمت اور اطاعت بڑے رشتوں کے حصے میں آتے ہیں۔ انہیں رشتوں کے مدمقابل ماں، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی اور انہی کے اوپر نیچے کے رشتے نیز، سوتیلی ماں، چچی اور ممانی انہی رشتوں کے مدمقابل مردانہ رشتوں کے لیے محرم قرار پاتے ہیں اور باہمی تفاعل کے مذکورہ بالا کرداروں کے ہم وزن کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ شرعی ذمہ داریوں کے اعتبار سے صنف مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے کرداروں کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے مگر قدر و قیمت کے اعتبار سے یہ مذکورہ بالا جوڑوں کے کردار کے ہم وزن بلکہ بعض اوقات ان سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان تمام کرداروں کی عملی صورتیں معاشرے کے ڈھانچے کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ محرم رشتوں کی ایک فہرست قرآنِ مجید نے یوں ذکر کی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ

الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ وَ حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا﴾[سورۂ نساء۴:۲۳]

(تم پر تمہاری مائیں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تم مباشرت کرچکے ہو ان کی لڑکیاں بھی جنھیں تم پرورش کرتے ہو، الّا یہ کہ تم نے ان بیویوں کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو بیٹے تمہاری نسل سے ہوں ان کی بیویاں بھی، اور یہ بھی تم دو بہنوں کو یکجا کر دو سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے)۔

اور اس طرح کے کئی دیگر اقدامات قابلِ ذکر ہیں۔

ان ازدواجی انتظامات کے تحت خاندان کسی معاشرے کے لیے وہ اہمیت رکھتا ہے جیسے سائنسی تحقیق کی روشنی میں یہ بات مسلم ہے کہ کائنات کے ہر دائرے کے لیے ایک مرکزہ ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح انتظامی طور پر یہ ثابت ہے کہ ہر بڑے ادارے کا ایک مرکز(Head Quarter/Head Office) ہوتا ہے۔ اسی طرح خاندان ہر جوڑے کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ب۔ مرد عورت کا شرعی جوڑا

اس سے مراد وہ جنسی جوڑا ہے جس میں دو مختلف فطری جوڑوں کا ایک ایک فرد شریعت کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ فطری جوڑوں کا ڈھانچہ نسب اور قریبی رشہ داری پر قائم ہوتا ہے جب کہ شرعی جوڑے کی بنیاد نسبت پر استوار ہوتی ہے۔ نسبت کا یہ تعلق خاندان کی بنیادی اکائی قرار پاتاہے۔ اسی نسبت سے تعلق پانے والے دونوں افراد میاں بیوی کہلاتے ہیں اور جب اس شرعی جوڑے میں شرعی ہدایات کے مطابق افزائش نسل کا عمل جاری ہوتا ہے تو بیٹوں اور بیٹیوں کی صورت میں نئے رشتے جنم لیتے ہیں، پھر جب ان نئے افراد کی تعداد بڑھتی ہے تو وہ بہن اور بھائی قرار پاتے ہیں۔ یہ تو رشتوں کی ایک سمت ہوئی۔ دوسری سمت جو لوگ پہلے سے بہن بھائی تھے اب وہ اس شرعی جوڑے کے کسی ایک فرد سے زیادہ نسبی قرابت رکھنے کی وجہ سے ماموں، چچا، پھوپھی اور خالہ کے القاب پاتے ہیں اور جو لوگ پہلے والد اور والدہ تھے وہ اب نانا، نانی اور

دادی دادا بن جاتے ہیں۔ جو لوگ پہلے ان رشتوں پر فائز تھے وہ دھیرے دھیرے نئی نسل کے لیے دور کے رشتہ دار بنتے گئے۔ یہ سب مل کر ایک برادری ہوئی اور کئی برادریاں مل کر معاشرہ بن گیا۔ **معاشرۃ** کی لفظی ساخت پر اگر غور کیا جائے تو یہ عربی کے باب **مفاعلۃ** کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا اصل مادہ ع ش ر ہے جس کا معنی زندگی گزارنا ہے، اُردو میں عیش وعشرت اسی معنی میں اور عربی میں **عشیرۃ** قبیلے کو کہتے ہیں اور معاشرہ مصدری معنی میں مل جل کر رہنے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اردو میں جس معنی میں استعمال ہوتا ہے عربی میں اس کے لیے مجتمع (اکٹھا ہونے کی جگہ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے ہر فرد کو اپنا اپنا کردار اپنے اپنے تخصص اور دائرۂ کار کے مطابق ادا کرنا ہوتا ہے جس میں اگر وہ کوتاہی کرے تو معاشرے کی قوت کمزور ہوتی ہے اور یہ کوتاہی عام ہو جائے تو معاشرے کی جڑیں ہل جاتی ہیں اور بالآخر تباہی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ معاشرے میں بعض اوقات مختلف نظریاتی یا مختلف مذہبی برادریاں بھی ہوتی ہیں۔ ان کے آپس میں تفاعل کے اصول بھی شریعت نے دیے ہیں، ان کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

مرد عورت کے شرعی جوڑے کے ضمن میں یہ فرق واضح کرنا ضروری ہے کہ جانوروں کے جنسی جوڑوں کا ظاہری مقصد محض افزائش نسل ہوتا ہے اس لیے کسی دین نے ان کی نسبتوں کے بارے میں ہدایات نہیں دیں جیسے انسانی شرعی جوڑوں کے لیے نکاح، طلاق اور اسالیب معاشرت کا تصور دیا گیا ہے۔ پالتو جانوروں کا مشاہدہ عام طور پر ہر آدمی کر سکتا ہے۔ بھینسوں، گائیوں، بکریوں اور بھیڑوں وغیرہ کے پورے پورے ریوڑ کے لیے صرف ایک ایک نر کافی سمجھا جاتا ہے، جس سے افزائشِ نسل کا مقصد پورا ہوتا رہتا ہے اور ان نسلوں کے افراد کھیتی باڑی، سواری، دودھ کی فراہمی حتی کہ جان کی بازی لگا کر گوشت کی فراہمی کا اپنا فطری وظیفہ بجا لاتے ہیں۔ جب کہ آسمانی ہدایات کی روشنی میں انسان کی پیدائش کا مقصد تشکیل معاشرہ ہے، جو ایک خاص قسم کی تنظیم و ترتیب کی متقاضی ہے۔ چوں کہ معاشرے کی تشکیل و تدبیر کا کام بنی آدم کے ذمے لگایا گیا ہے، لہذا اس میں ہر فردِ بشر کی ایک خاص پہچان، اس کے دائرۂ کار کا تعین، اور خاص قسم کی صلاحیتوں سے اس کی کوائف بندی ضروری ہے۔ معاشرہ ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس میں چھوٹے بڑے بہت سے یونٹ ہیں، ہر یونٹ کا اپنا داخلی نظام ہے اور ہر نظام سے متعلقہ انسانوں کا اپنا اپنا دائرۂ کار ہے، چاہیں تو اسے انگریزی کے لفظ Job desciption سے تعبیر کر لیں، مثال کے طور پر ملک کے صدر صاحب وزیر اعظم صاحب کے معاملات میں دخل دیں، یا وزیر اعظم صاحب صدر صاحب کے اختیارات اپنے قابو میں کرنے کے لیے بے تاب رہیں تو ان کا اپنا اصل کام بری طرح متاثر ہو گا، بدامنی پھیلے گی، کشیدگی بڑھے گی اور وہ سب کچھ ہو

گا جس کی ایک ریاست کو ناکام ریاست کے درجے پر فائز کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے، دیگر مناصب اور ذمہ داریوں کو اسی کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ معاشرے میں تقسیم کار کے لیے بنیادی چیز ہر اہل کار اور ہر ادارے کی تخصصاتی شناخت ہے۔ پھر ان میں سے ہر فرد اور ہر ادارہ اگر خلوص سے اپنا فرض منصبی نبھائے گا تو اسے عزت ملے گی اور سب کی عزت مل کر معاشرے کی عزت بنے گی۔

معاشرے میں پہچان اور اپنی ذمہ داریوں میں مخلص ہونے کو قرآنِ مجید نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [الحجرات ۴۹:۱۳]

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بیشک خدا سب کچھ جاننے والا ہے (اور) سب سے خبردار ہے)۔

جس طرح اس آیت میں معاشرے کی دو بڑی اکائیوں یعنی قبائل اور قوموں کا تذکرہ ہے اسی طرح قرآنِ مجید میں جا بجا تشکیل خاندان کے لیے نہ صرف ہدایات دی گئی ہیں بلکہ اسے بہتر انداز میں چلانے کے لیے ضروری رہنمائی بھی فراہم کی گئی ہے، بلکہ خدا نخواستہ اگر خاندان کی بنیاد بننے والے میاں بیوی میں اگر کہیں ناچاقی کی صورتحال پیش آجائے تو اسے ختم کرنے کے مختلف طریقے بتائے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ناچاقی ختم کرنے کی کوئی صورت نہ بن پائے تو فہم و خرد پر مبنی جدائی کے مختلف طریقے اور جدائی کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایک حکیمانہ نظام العمل دیا ہے، جسے انگریزی قانون میں maintinance کہا جاتا ہے۔

شرعی جوڑا جوں ہی قائم ہوتا ہے شریعت کی نظر میں وہ ایک انتظامی یونٹ ہوتا ہے جس میں مرد منتظم اور عورت اس کی معاون ہوتی ہے۔ مرد کے انتظام میں گھر کی سربراہی، اس کا دفاع اور مالیات و ضروریات کی فراہمی ہوتی ہے جب کہ عورت کی ذمہ داری شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اس کی اطاعت، اشیائے ملکیت، اپنی عزت و عصمت اور افراد خانہ کی اخلاقی نگرانی اور حفاظت ہوتی ہے۔ گھر میں محبت، پیار، شفقت اور سکون و اطمینان کی فضا پیدا کرنا اور اس کا خیال رکھنا عورت کا فطری تخصص ہے۔ یہ انتظامی اکائی تھانے کچہری کی طرح نہیں ہوتی جس میں افراد کا تعلق افسر

و ماتحت کا ہوتا ہے بلکہ یہاں میاں بیوی کا انتظامی تعلق بھی انسانی اقدار کے زور پر چلتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام تر مردانہ اختیارات کے باوجود گھریلو زندگی میں جو مثال قائم کی وہی ان آیات کی تفسیر ہے جن میں اس انتظامی یونٹ کے خد و خال اور احکام بتلائے گئے ہیں۔ امیدہے ہم مستقبل قریب میں ان شاء اللہ مرد عورت کے تخصصات پر ایک تحقیقی مضمون لکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو در اصل اسی مضمون کی تکمیل ہو گی۔ فی الحال چند آیات کی طرف اشارہ کر کے خاندانی یونٹ میں بھی اصول ازدواج کی جھلک دکھانا مقصود ہے۔ انتظامی یونٹ کے کرداروں کی تقسیم قرآنِ مجید نے یوں کی ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ......﴾[سورۂ نساء ۴: ۳۴]

(مرد عورتوں پرمنتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کی اطاعت کرتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے ان چیزوں کی خبر داری کرتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت والا بنایا ہے)۔

یہاں ایک دوسرے پر فضیلت دینے کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ہی مراد لیا ہے اور انتظامی امور چلانے کے لیے کسی ایک کا بااختیار ہونا ضروری ہے ورنہ وہ انتظامی یونٹ نہیں رہے گا۔ بعض خواتین کی طرف مردوں کی تفضیل کا مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اٹھایا گیا تو قرآنِ مجید نے اس کا فیصلہ یوں فرمادیا:

﴿وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾[سورۂ نساء ۴: ۳۲]

(اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی تمنا مت کرو مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے)۔ تفضیل کے کچھ پہلو مفسر ابوالسعود العمادی نے گنوائے ہیں مگر ان کا تذکرہ اس مقام پر مقصود نہیں۔ مرد کے اسی انتظامی منصب کو درجِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.﴾ [سورۂ بقرہ۲: ۲۲۸]

(اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ روکے رہیں اور اگر وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اور ان کے خاوند اگر موافقت چاہیں تو اس مدت میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے اور اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے)۔

یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ اس انتظامی سربراہی کو بھی عورت کی محبت اور اس کی اخلاقی مدد کے بغیر قرار حاصل نہیں ہو سکتا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[سورۂ روم ۳۰: ۲۱]

(اور اسی کے نشانات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف مائل ہو کر سکون پاؤ اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں یقیناً نشانیاں ہیں)۔

اس قدر واضح ارشاد باری تعالیٰ کے بعد اس انتظامی یونٹ کی انفرادیت اور امتیاز کا معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، اگر اب بھی ہم کسی خارجی اثر کے تحت اس سے آنکھیں پھیرے رہیں تو اس کا اثر ہمارے ہی معاشرے پر ہو گا کسی اور پر نہیں۔ انتظامی تخصصات وہی ہیں جو قرآن نے بیان کیے ہیں مگر قوتِ محرکہ خواہش نفس نہیں بلکہ شریعت کی ہدایات ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو گھر کا نگران قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں کی نگرانی ایک دوسرے سے یک سر مختلف ہے اور یہی شریعت کو مطلوب ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے دونوں یکسر برابر ہیں اور مساواتِ مرد وزن کا یہی تصور اِسلام نے پیش کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جناب نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الا كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته.فالأمير الذي على الناس راع ومسؤل عن

رعيته، والرجل راع على أهل بيته وهو مسؤول عنهم، والمرأة راعية على بيت بعلها وهي مسؤولة عنه،والعبد راع علىٰ مال سيده وهو مسؤول عنه، ألا فكلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته

(خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے، چنانچہ امیر جو تمام لوگوں کا حاکم ہے وہ نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مرد اپنے اہلِ خانہ پر نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے، اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، خبردار! اس طرح تم سبھی نگران ہو اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے)۔

یہ روایت امام ترمذی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے(۲۷)، بیہقی کی شعب الإیمان(۲۸) میں **والمرأة راعية على بيت بعلها وولده وهي مسؤولة عنهم** (اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہی ان کے بارے میں جوب دہ ہے) کے الفاظ ہیں۔

اس انتظامی یونٹ کے مناصب کی تقسیم کے بارے میں جس طرح شریعت نے دو ٹوک انداز اختیار کیا ہے اسی طرح اسے حتی المقدور قائم رکھنے کے لیے بھی واضح ہدایات دی ہیں۔ بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نیا جوڑا بنانے کے لیے بھی شریعت نے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں تاکہ روزِ اول سے انتخاب ہی مناسب افراد کا کیا جائے۔ اس سلسلے میں کُفو کی شرط، ولی کا کردار اور دولہا دلہن کی اجازت بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں اقدامات کا معاشرتی پس منظر ہر باشعور انسان سمجھ سکتا ہے۔ پھر جب یہ یونٹ قائم ہو جائے تو شریعت نے اسے قائم رکھنے کے لیے شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض بیان کر دیے ہیں۔ یہ بھی ازدواجی تفاعل کی ایک صورت ہے۔ پھر مرد کو اختیار طلاق دینے کے باوجود طلاق کو حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں تو اگر یہ اختلاف بیوی کا پیدا کردہ ہو تو خاوند کی طرف سے اسے سمجھانا، اگر یہ کارگر نہ ہو تو گھر کے اندر عارضی علیحدگی اختیار کرنا، اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو حدود کے اندر رہتے ہوئے سختی کرنا ایسے اقدامات ہیں جو اس یونٹ کو بچانے کے لیے بتائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مرد کو بتا دیا گیا کہ اگر عورت اطاعت گزار بن جائے تو اسے ستانے کے بہانے ہرگز تلاش نہ کیے جائیں۔ اس ساری تدبیر

کے بعد بھی اگر اختلاف ختم نہ ہو یا یہ فیصلہ ہی نہ ہو پائے کہ قصور وار کون ہے اور معاملہ جدائی کے قریب پہنچ جائے تو یہاں ازدواجی تفاعل کا ایک اور عمل تجویز کیا گیا ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا﴾[سورۂ نساء۴: ۳۵]

(اور اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں تو اللہ ان میں موافقت پیدا کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے)۔

''ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے'' یہ الفاظ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ شریعت کے نزدیک ان دونوں کی اہمیت برابر ہے اور اگر منتظم خاندان کے طور پر صرف مرد ہی کو اہمیت حاصل ہوتی تو فیصلے کا اختیار اسی کو یا اس کے خاندان کو دیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہاں جس ازدواجی تفاعل کی ہم نے بات کی وہ افراد سے بڑھ کر اب برادری تک پہنچ گیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ شریعت نے میاں بیوی کی آپس کی رازداری کو بہت اہمیت دی ہے اور آپس کے راز افشا کرنے والے فرد کے لیے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس سب کے باوجود جب خاندان کے اس بنیادی یونٹ کے وجود کو خطرہ ہے اور آپس میں اس کا کوئی تصفیہ بھی نہیں ہو سکا تو اس سے اگلا درجہ برادری کا ہے اور اس میں ثالثی کونسل کی بجائے رشتہ داروں کی مصالحتی کمیٹی کی تجویز دی گئی تا کہ ان دونوں کے اختلافات کی باتیں سر عام نہ ہونے لگیں۔

اس مجوزہ مصالحتی کمیٹی کے تفاعل میں بھی ایک عجیب قسم کی ازدواجیت پائی جاتی ہے۔ یہ بات تو انسانی علم اور تجربے سے ثابت ہے کہ مرد اور عورت کے مزاج میں سختی اور نرمی، پیار اور غصے وغیرہ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اب بظاہر تو یہاں ﴿حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا﴾ (ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے) ایک ایک نمائندے کا تذکرہ ہے مگر اس کے پیچھے دونوں برادریاں پوری طرح شامل ہیں۔ عورت کی برادری کی عورتیں تو اس کے ساتھ براہ راست مکالمہ کر سکتی ہیں، بہت سے مرد غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے آ کر بات نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے محرم مرد ایک ریزرو فورس اور اس کی مکمل تائید و نصرت کے لیے اس کے پاس آ جا سکتے ہیں، نصیحت کا عمل ہو یا معاملہ فہمی کا یہ سب کام وہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف مرد کی برادری کے سارے مرد اس کے پاس بلا روک ٹوک آ کر بات کر سکتے ہیں مگر کچھ عورتیں غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس

کے سامنے نہیں آسکتیں تو محرم عورتوں کی ایک ریزرو فورس اس کو نصیحت کرنے یا معاملہ فہمی کے لیے موجود ہیں۔ اس طرح ایک نہایت متوازن ازواجی تفاعل کی بنیاد پر جب انہیں رشتہ داروں میں سے ایک مصالحتی کمیٹی فیصلہ کرتی ہے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس خلوص اور اپنائیت سے ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

شرعی جوڑے کے اس یونٹ میں ایک نہایت اہم پہلو اس کے افراد کے دائرۂ کار Job Description کا ہے شریعت نے اس انتظامی یونٹ کے اندر رہتے ہوئے مرد اور عورت دونوں کے تخصصات واضح کیے ہیں جنہیں حیاتیاتی تخصصات، معاشرتی تخصصات، شرعی تخصصات اور معاشی تخصصات یعنی حق ملکیت ،کسب معاش ، حق وراثت وغیرہ کے نام دیے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کے تذکرے کے لیے ایک مستقل مقالے کی ضرورت ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے گی۔

یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس یونٹ کے دونوں افراد اپنے اپنے تخصص کے اندر رہ کر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں جو کردار ادا کریں گے وہی قرآن کے تصور ازدواج کا خلاصہ اور وہی ان میں ہر ایک کا عملِ صالح ہو گا جیسا کہ اس کی تعریف پہلے کی جا چکی ہے۔ اس یونٹ کا بنیادی کام معاشرے کی بقاء کے لیے خام مال کی تیاری اور ایک خاص سطح تک معاشرے کے وسیع ادارے کے ساتھ الحاق کے لیے اس کی تیاری کا ہے۔ اگر اسی میں کسی جگہ خلل واقع ہو جائے جیسا کہ عام طور پر آج کل ہو رہا ہے تو وہ معاشرہ انسانی اقدار کھو بیٹھتا ہے۔ اس میں دولت اور ذاتی مفادات کو انسان پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، جس سے اچھی تجارت، اچھی صنعت، اچھی زراعت تو ہو سکتی ہے جسے آج کل ترقی کہا جاتا ہے مگر گاڑیاں دوڑاتے، جہاز اڑاتے، فضاؤں اور سمندروں کو چیرتے انسان ان مشینوں کے ساتھ مشینیں تو بن جاتے ہیں مگر انسانی اقدار ان سے کوسوں دور بھاگتی ہیں۔ ایسے معاشرے کے استاذ، ڈاکٹر، وکیل، جج نیز تمام ہی خواہ اپنے پیشے کے پردے میں اپنا کاروبار تو کرتے ہیں، مگر انسانی اقدار ان کے ہاں بھی مرجھائی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس طرح ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرد عورت ہر ایک کا اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہ کر شریعت کی منشاء کے مطابق کام کرنا عمل صالح ہے۔ اب اگر یہ دیکھنا ہو کہ عمل صالح سے خوش گوار زندگی کیسے حاصل ہوتی ہے تو اس کا خلاصہ مشہور مفسر قاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیہؒ کے الفاظ میں یوں ہے:

إن طيب الحياة اللازم للصالحين إنما هو بنشاط نفوسهم ونيلها، وقوة رجائهم، والرجاء للنفس أمر ملذّ، فبهذا تطيب حياتهم، وأنهم احتقروا الدنيا فزالت همومها عنهم،فإن انضاف إلى هذا مال حلال وصحة أو قناعة ، فذلک کمال، وإلا فالطيب فيما ذكرناه راتب(۲۹).

''زندگی کی خوشگواری جو صالحین کے لیے یقینی قرار دی گئی ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے نفوس چاق و چوبند رہتے ہیں، ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں اور ان کی امیدیں مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ امید کا مضبوط ہونا نفس کے لیے لذت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کی زندگی خوش گوار ہو جاتی ہے۔ اور چوں کہ وہ دنیا کو حقیر سمجھتے ہیں اس لیے اس کے حصول وغیرہ کی ساری پریشانیوں سے بھی وہ مبرا ہوتے ہیں۔ اگر ان کیفیات کے ساتھ رزق حلال اور صحت نصیب ہو جائے یا قناعت کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ کمال کی بات ہے ورنہ محض خوش گوار زندگی تو عمل صالح کے نتیجے میں مرتب ہوتی ہی ہے۔

اگر عملِ صالح نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ہو تو اس کے منفی اثرات یقیناً ہوتے ہیں۔ ابن خیرہؒ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ ابن ابی حاتمؒ نے ہشام بن صالح تغلبی کی روایت سے ان کا قول نقل کیا ہے:

جزاء المعصية الوهن في العبادة ، والضيق في المعيشة،والتعسر في اللذة. قيل : وما التعسر في اللذة ؟ قال:لايصادف لذة حلال إلا جاء ه من ينغصه إياها(۳۰)

معصیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عبادت میں کمزوری آجاتی ہے، معیشت تنگ ہو جاتی ہے اور لذت دشوار ہو جاتی ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ لذت میں دشواری کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا: وہ جب کبھی بھی حلال طریقے سے بھی لذت حاصل کرنے کا موقع پاتا ہے کوئی نہ کوئی رکاوٹ اس میں حائل ہو جاتی ہے۔

جب کہ عملِ صالح کے فوائد میں سے ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہے کہ لذت حلال کو بھی صدقہ شمار کیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم، مسند امام احمد اور سنن بیہقی وغیرہ متعدد کتب احادیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مختلف دینی، رفاہی اور ذاتی کاموں کو صدقہ قرار دیا ہے اور اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وفي بُضع أحدكم صدقة. قالوا يا رسول الله!: أيأتي أحدنا شهوته ويكون له فيها

أجر؟قال: أرأيتم لو وضعها في الحرام أكان عليه فيها وزر؟قالوا:بلی!، قال: كذلك إذا هو وضعها في الحلال كان له أجر(۳۱)

حدیث کا ترجمہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

هذا ما وصلنا إليه والله اعلم بالصواب

حواشی

۱۔ سورت نمبر۴، جو چوتھے پارہ سے شروع ہو کر چھٹے پارہ کے تقریباً ربع پر ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ سورت نمبر۲۴، پارہ نمبر۱۸۔

۳۔ شعب الایمان: ذکر سورۃ الأعراف و التوبۃ و النور۲: ۴۷۲

۴۔ سورۂ مریم نمبر ۱۹، پارہ نمبر ۱۶۔

۵۔ یہ تینوں مثالیں سورۂ تحریم۶۶:۹-۱۱ میں یکجا موجود ہیں۔

۶۔ السنن الکبریٰ للبیھقی، طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۴۴ھ، ۷: ۳۰۴

7. A text book of Science for Class vii, National Book Foundation, Islamabad 2004, Chapter8, Atom and Its Structure, page 64

8. A text book of Science for Classvii, National Book Foundation, Islamabad 2004, Chapter17, Magnets and Its Currents, page131, A text book of Science for Class5, Dr. Pervez Aslam Shami, National Book Foundation, Islamabad, Chapter18, Magnetism, page 88

9. A text book of General Science for Class IX&X, Prof. Muhammad Tahir Hassan and others, National Book Foundation, Islamabad 2003, Chapter 8, Current Electricity, page 128

10. A text book of Computer Science for ClassIX&X, Prof.Muhammad Muhammad Tahir Hassan, National Book Foundation, Islamabad 2003, Chapter 5, Data Representation, page 69, کمپیوٹر سٹڈیز برائے جماعت نہم و دہم، ناشر امتیاز بک ڈپو برائے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور، باب ۶، عددی نظام ، ص۳۴

۱۱۔ شنقیطی، محمد امین، اضواء البیان في إیضاح القرآنِ بالقرآن، ط دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ۶: ۳۷۷ اور [سورۂ جاثیہ ۴۵:۵]، [سورۂ بقرہ ۲: ۲۲]، [سورۂ ابراہیم ۱۴: ۳۲] اور [سورۂ ق۵۰:۹] کا مطالعہ رزق کے معاملے میں زمین و آسمان کے تفاعل پر بہت مفید ہے۔

۱۲۔ لسان العرب، ابن منظور الإفریقی (طلح)، ط۱، دارالصادر بیروت

۱۳۔ المعجم الوسیط، تالیف ابراہیم مصطفیٰ، احمد الزیات وغیرہ ، تحقیق مجمع اللغۃ العربیۃ مصر، نشردارالدعوۃ، باب الصاد ۱: ۵۲۰

۱۴۔ روحی بعلبکی، قاموس المورد القریب (عربی- انکلیزی)، طبعۃ جدیدۃ ملونۃ، دارالعلم للملایین، بیروت۔

۱۵۔ **التنبیهات اللطیفة فیما احتوت علیه الواسطیة من المباحث المنیفة**، عبد الرحمٰن ناصر السعدی، طبع دار طیبۃ، الریاض، ۱۴۱۴ھ، معنی الحمد ۱: ۱۰

۱۶۔ **الجانب العطفی من الإسلام**، محمد الغزالی، ط۱، دار النھضۃ، مصر، من حقیقۃ العبودیۃ ۱: ۱۱۳

۱۷۔ **مسألة فی المرابطة بالثغور افضل أم المجاورة بمکة شرفها الله**، ابن تیمیہؒ، ط۱، ۲۰۰۲، نشر اضواء السلف ۲:۷۵

۱۸۔ ابن سیدہ، المحکم والمحیط الأعظم، باب الحاء والصاد والنون ۱: ۴۶۴

۱۹۔ صحیح مسلم ۱۳:۲۳۹

۲۰۔ ابن عاشور: التحریر و التنویر، النجم ۵۳:۴۵

۲۱۔ شعب الإیمان: تحریم الفروج وما یجب من التعفف ۷:۳۰۰

۲۲۔ تفسیرِ قرطبی [سورۃ نور ۲۴:۳۰-۳۱]

۲۳۔ فی ظلال القرآن [سورۃ نور ۲۴:۲۷-۲۹] ۵: ۲۷۱

۲۴۔ تفسیر قرطبی ۱۴: ۲۴۳، سورۃ احزاب ۳۳: ۵۹

۲۵۔ صحیح بخاری: کتاب الاستئذان ۳: ۸۲۵۵

۲۶۔ فی ظلال القرآن، سید قطب ۶: ۹۲، سورۃ احزاب ۳۳: ۵۳

۲۷۔ سنن ترمذی: کتاب الجہاد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی الإمام ۶: ۲۹۶، حدیث نمبر ۱۶۲۷

۲۸۔ شعب الإیمان: الأمانات ومایجب من أدائها إلی اهلها ۷: ۲۰۳، حدیث نمبر ۴۸۸۱

۲۹۔ المحرر الوجیز (تفسیر ابن عطیہ) ۴: ۱۹۶، سورۃ النحل ۱۶: ۹۷

۳۰۔ تفسیر ابن کثیر ۳: ۶۴۲، سورۃ سبا ۳۴:۱۷

۳۱۔ صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف ۲: ۶۹۷، حدیث نمبر ۱۰۰۶

مصادر و مراجع

۱۔ البخاری: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل الجعفی الکندی، **الجامع الصحیح المختصر**، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا، دار ابن کثیر، الیمامہ/بیروت، ط۳، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۲۔ بعلبکی: روحی، ڈاکٹر، المورد القریب (عربی- انکلیزی)، **طبعة جدیدة ملونة، دارالعلم للملایین، بیروت۔**

۳۔ بیہقی: ابوبکر احمد بن الحسین بن علی الخراسانی، شعب الایمان، تحقیق ڈاکٹر عبدالعلی عبد الحمید حامد، ناشر مکتبۃ الرشد، الریاض، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء

۴۔ بیہقی: **السنن الکبریٰ**، طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۴۴ھ

۵۔ الترمذی: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ السلمی، **السنن**، تحقیق احمد بن شاکر وغیرہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۔ ابن تیمیہؒ: ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم، **مسألة فی المرابطة بالثغور افضل أم المجاورة بمکة شرفها الله**، ط۱، ۲۰۰۲، نشر اضواء السلف

۷۔ الزیات: احمد، وآخرون، **المعجم الوسیط**، تحقیق مجمع اللغۃ العربیۃ مصر، نشر دارالدعوۃ

۸۔ السعدی: عبد الرحمٰن ناصر، التنبیهات اللطیفة فیما احتوت علیه الواسطیة من المباحث المنیفة، طبع دار طیبة، الریاض، ۱۴۱۴ھ

۹۔ سید قطب: فی ظلال القرآن، موقع التفاسیر، مکتبہ شاملہ

۱۰۔ ابن سیدہ: ابو الحسن علی بن اسماعیل المرسی، المحکم والمحیط الأعظم، تحقیق عبدالحمید ہنداوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰۔

۱۱۔ شنقیطی: محمد امین، تفسیر اضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن، ط دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء

۱۲۔ ابن عاشور: محمد بن الطاہر، التحریر والتنویر، دارسحنون للنشر و التوزیع، تونس، ۱۹۹۷ء

۱۳۔ ابن عطیہ: ابو محمد عبد الحق ابن عطیہ الاندلسی، المحرر الوجیزفی تفسیر الکتاب العزیز، تحقیق عبدالسلام عبدالشافی محمد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

۱۴۔ الغزالی: محمد، الجانب العطفی من الإسلام، ط۱، دار النھضة، مصر

۱۵۔ القرطبی: ابو عبداللہ محمد بن احمدالخزرجی الانصاری، الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمنه من السنة وآي الفرقان، مکتبہ شاملہ

۱۶۔ ابن کثیرؒ: ابوالفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ شاملہ

۱۷۔ مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری: الجامع الصحیح، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، نشردار احیاء التراث العربی، بیروت، ت۔ن۔

۱۸۔ ابن منظور الإفریقی: لسان العرب، ط۱، دارالصادر بیروت

19. A text book of Science for Class vii, National Book Foundation,I slamabad 2004,

20. A text book of Science for Class vii, National Book Foundation,I slamabad 2004,

21. A text book of Science for Class 5, Dr. Pervez Aslam Shami, National Book Foundation, Islamabad

22. A text book of General Science for Class IX & X, Prof. Muhammad Tahir Hassan and others, National Book Foundation, Islamabad 2003,

23. A text book of Computer Science for Class IX & X,Prof. Muhammad Muhammad Tahir Hassan, National Book Foundation, Islamabad 2003,

۲۳۔ کمپیوٹر سٹڈیز برائے جماعت نہم و دہم، ناشر امتیاز بک ڈپو برائے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور، باب ۶، عددی نظام، ص ۳۴

☆☆☆☆☆☆☆